© rasailojaraid.com

ویکفی المقالۃ اھل الحجا لغیر معیب ولا عائب

اور لوگوں کو اس کے سامنے حاجت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ خود اپنی ثقابۃ المعرفۃ سے ان کے دل کی باتوں کو سمجھ لیتا تھا۔ اور ان کے بارے میں فیصلہ کر دیتا تھا۔ بغیر اس کے کہ کوئی اسے برا کہے یا وہ کسی کو عیب لگائے۔

مذکورہ بالا اشعار میں چوتھے شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے قدامہ نے لکھا ہے۔

ولیس ینبغی للناظر أن یظن تخطأ فی وضع ملیح موضع المدح بالفضائل النفسیۃ لان ملیحاً فی ھذا الموضع لیس ھو الا من قولھم " قریش ملح الناس" ای یستشفی بھم والذی یشھد بصحتہ قولہ ثقاب یحدث بالغائب لان ھذا من جنس الرأی والحدث لہ

لفظ ملیح کے بارے میں کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ فضائل نفس کی جگہ رکھ کر شاعر نے غلطی کی ہے۔ کیوں کہ یہاں ملیح کے معنی حسن و خوبصورتی کے نہیں ہیں بلکہ یہ عربوں کا قول قریش ملح الناس سے ماخوذ ہے۔ یعنی قریش صاحب فہم و ادراک ہیں۔ ان کی عقل سے لوگوں کے مرض جہالت کو شفا ملتی ہے۔ چنانچہ ثقاب یحدث بالغائب کا قرینہ بھی موجود ہے جو معانئے مذکور کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ثقابت اروشن طبعی اور اصابت رائے کو کہتے ہیں۔

لہ نقد الشعر ص ۷۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں عربی کی مذکورہ بالا عبارت کا آخری لفظ الحَدَث کے بجائے الحَدْس بالسین ہونا چاہیے۔ لغت میں جس کے معنی سرعۃُ الانتقال فی الفہم والاستنتاج کے ہیں۔ اسی کو ثقابۃ المعرفۃ یا ذیرکی حس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ یا تو کتابت کی غلطی ہے یا اصل مسودے کی کیونکہ الحدس نام ہے دو انتقالوں کے مجموعے کا جو دفعتاً واقع ہوں۔ اول کسی نامعلوم چیز کو جاننے کے لیے اس کے مبادی و مقدمات کی طرف مطلوب سے انتقال ذہنی۔ پھر ان مبادی سے مطلب کی طرف واپسی ــــ اس انتقال ذہنی کے پورے PROBESS کو اصطلاح میں حدس کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر ہم حدوثِ عالم کے بارے میں غور کریں تو دفعتاً ہمارا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوگا کہ احوالِ عالم یا عالم تغیر پذیر ہے متغیر سے انتقال ذہنی ہوا۔ حدوث کی طرف۔ یعنی جو چیزیں متغیر ہوتی ہیں وہ حادث بھی ہوتی ہے۔ کُلِّ متغیرٍ حادث۔ لہذا عالم حادث ہے۔ یہاں مبادی سے دعوت کی طرف انتقال ذہنی ہوا۔ اب اگر یہ دفعتاً ہے تو وہ حَدس ہے اور اگر تدریجی ہے تو وہ فکر ہے۔

۔۴ نقد الشعر کے دیباچہ میں شارح نے لکھا ہے:۔

فانّ کتاب نقد الشعر للعلّامۃ الفہّامۃ ابی الفرج قدّامہ بن جعفر الکاتب، اوّل کتاب وُضِعَ فی علم تنقیدِ الشعرِ و تبیین جودتہٖ و رداءتہٖ وَحُسنہٖ و قبحہ:۔

اس عبارت میں شارح نے فی علم تنقید الشعر کہا ہے۔ جب کہ عربی میں نقد بابُ التفعیل سے مستعمل نہیں ہوتا۔ نَصَرَ یَنصُرُ یا باب الافتعال سے آتا ہے۔ اس لیے فی علم نقد الشعر یا فی علم انتقاد الشعر ہونا چاہیے۔ یہ ایسی ہی غلطی ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ صاحب قاموس۔ مجدالدین فیروز آبادی نے شمع کشتن کا ترجمہ عربی میں قُتِلَ السراج کیا۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ محاورہ عرب کے خلاف ہے تو اُطفِیءَ السراج کر دیا۔

© rasailojaraid.com

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ملفوظات

جناب نثار احمد صاحب فاروقی استاد عربی، دہلی کالج۔ دہلی

پچھلی صدی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کی ذات منبع برکات اللہ کی نشانیوں سے ایک نشانی تھی۔ اُن کی مبارک زندگی کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ پارس کے پتھر کی سی صفات رکھتے تھے، جسے اُن کی خدمت نصیب ہوگئی وہی کُندن بن گیا۔ آج عرب و عجم میں اُن کا روحانی فیض جاری ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں کوئی عالم شاید ایسا ہو جو حاجی صاحب کو جانتا نہ ہو اور اُن سے عقیدت و ارادت کا رشتہ استوار نہ رکھتا ہو۔ ہندوستان میں حاجی صاحب کا فیضان مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی جیسی باکمال شخصیتوں کے کارناموں کی شکل میں آج بھی جاری ہے۔

آج سے ایک سو پچپن (۱۵۵) سال پہلے ۱۸۱۶ء/۱۲۳۱ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قصبہ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے جو یوپی کے ضلع مظفر نگر میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اُن کا سلسلہ نسب ابراہیم ادھم بلخی کے واسطے سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ حاجی صاحب نے ابتدا میں عربی و فارسی کی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی۔ پہلے قرآن شریف حفظ کیا، پھر درسی کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے مگر آپ کی تعلیم ادھوری رہ گئی اس لئے کہ خدا کو ان کی ذات میں 'علم لدنی' کا جمال دکھانا تھا۔ فارسی میں آپ نے مثنوی مولانا روم کا سبق مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے لیا تھا جنھوں نے مثنوی

© rasailojaraid.com

کا ساتواں دفتر لکھ کر مولانائے روم کے ادھورے کام کی تکمیل بھی کی تھی۔ پھر خود حاجی صاحب نے مدت العمر طلبہ کو مثنوی رومی کا درس دیا اور اس کی شرح میں وہ وہ نکتے بیان فرماتے تھے جو ایک صاحب حال کی زبان ہی سے نکل سکتے ہیں۔ اُن کی لکھی ہوئی شرح مثنوی مولانا روم عرصہ ہوا مطبع نامی کانپور سے چھپی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی شرح "کلید مثنوی" میں بھی جا بجا حضرت حاجی صاحب کے بیان کیے ہوئے مطالب درج کر دیے ہیں۔

خود حاجی صاحب اپنی تعلیم کے بارے میں فرماتے تھے کہ "بھائی ہم نے ایک باب اور دیباچہ گلستاں کا اور ایک باب بوستاں کا اور کچھ مفید نامہ اور کچھ دستور المبتدی اور چند ورق 'زلیخا' کے پڑھے تھے اور حصن حصین مولوی قلندر سے پڑھی۔ بعد میں شوق ورد وظائف کا ہوا۔"

کتابی علم تو حضرت کا اتنا ہی تھا مگر قرآنی آیات، احادیث، مثنوی رومی کے اشعار اور وحدت الوجود کے مسائل کی تشریح میں ایسے چٹکلے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے عالموں کو حیرت ہوتی تھی۔ ایک بار مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ "حاجی صاحب عالم تو نہیں تھے! مولانا نانوتوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمانے لگے" عالم کیا ہوتا ہے، وہ عالم گر تھے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے علم و فضل اور کمال سے کون واقف نہیں، حاجی صاحب کا نام سُن کر ہی ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی ایک بار کسی نے پوچھا کہ آخر حاجی صاحب کے پاس کیا ہے جو لوگ علماء کے پاس نہیں جاتے اور اُن کی خدمت میں جاتے ہیں، مولانا تھانوی نے کہا کہ ہمارے پاس الفاظ ہیں اور وہاں معانی ہیں۔

حاجی صاحب نے ابتدا میں شاہ محمد آفاق دہلوی سے بیعت کی تھی پھر سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے فیض حاصل کیا۔ مظفر نگر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی تو ہاری ہے۔ وہاں ایک مسجد میں میاں جی نماز بھی پڑھاتے تھے اور بچوں کو سبق بھی دیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے مگر اپنے وقت کے بڑے باکمال بزرگ تھے اور روحانی سلسلے میں حضرت سید عبدالرحیم فاطمی شہید سے بیعت تھے۔ سید عبدالرحیم صاحب افغانستان کے رہنے والے تھے وہاں انھوں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور آں حضرت نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دیا ہے۔ اس خواب سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مجھے ان بزرگ سے بیعت کرنے کا حکم ہوا ہے چنانچہ سب کچھ چھوڑ کے ان بزرگ کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس سفر میں ایک اور ساتھی اخوند جان محمد بھی ان کے شریک ہوگئے۔

علاقہ پنجاب کی خانقاہوں میں قیام کرتے ہوئے شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپور ساڈھورہ، پھر مظفر نگر ہوکر امروہہ پہنچے اور یہاں حضرت شاہ عبدالباری چشتی کی خانقاہ میں آئے تو دیکھا کہ اُن کے خواب کی تعبیر نگاہوں کے سامنے ہے۔ پھر تو زندگی بھر کے لیے مرشد کے قدم پکڑ لیے۔

۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں شاہ عبدالباری کا وصال ہوا اور اُن کے فرزند اکبر حضرت شاہ رحمن بخش سجادہ نشین ہوئے تو حاجی عبدالرحیم فاطمی بھی خانقاہ میں مقیم تھے۔ جب ۱۸۲۸ء یا ۱۸۲۹ء میں حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی نے علم جہاد بلند کیا اور ہندوستان بھر کی خانقاہوں کو دعوت نامے بھجوائے تو حضرت شاہ عبدالباری چشتی امروہوی کی خانقاہ سے حاجی عبدالرحیم صاحب کو جہاد میں شرکت کے لئے نامزد کیا گیا۔ یہ سہارن پور جاکر سید صاحبؒ کے قافلے میں شریک ہوگئے اور بالاکوٹ علاقہ پنجاب کی جنگ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہیدؒ کے ساتھ ہی منصب شہادت پر فائز ہوئے۔ اب اُن کے مزار کا بھی پتا نہیں، مگر اُن کا روحانی سلسلہ آج بھی عرب و عجم میں زندہ ہے اور ع

در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مکمل تفسیر ہے۔

انھیں حاجی عبدالرحیم فاطمی سے میاں جی نور محمد جھنجھانوی بیعت تھے اور پھر میاں جی سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے کسبِ سلوک کیا اور چشتی صابری سلسلے کو ان کی ذات سے حیاتِ تازہ مل گئی۔ اب یہ سلسلہ ایک ایسا لطیف مرکب ہے جس میں حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی، حضرت شاہ عبدالقدوسؒ گنگوہی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی اور حضرت سید احمد بریلوی جیسے بزرگوں نے رنگ بھر کر بوقلموں بنا دیا ہے۔ اس میں علم بھی ہے عرفان بھی ہے۔ سوز و گداز بھی ہے۔ جذبۂ جہاد بھی، اتباعِ سنّتِ سنیّہ بھی ہے اور وجد و شوق کی گرانمایہ متاع بھی۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شخصیت میں بھی یہ عناصر بڑے دل آویز تناسب کے ساتھ جمع ہوئے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستانی عوام غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کے لئے صف آرا ہوئے اور اس جذبے کی لہریں شاملی اور تھانہ بھون تک پہنچیں تو وہاں حضرت حافظ ضامن شہید، مولانا شیخ محمد تھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی مجاہدین کی ایک جماعت لے کر انگریزوں کے خلاف میدان میں آگئے۔ ان مجاہدوں کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہی تھے۔

جب انگریزوں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو دوبارہ بحال کر لیا اور دار و گیر شروع ہوئی تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی اور پھر آخر دم تک وہیں رہے، جوارِ بیت اللہ میں بیٹھ کر مثنوی روم کا درس دیتے اور تشنگانِ علم کو سیراب کرتے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ مصر، ترکی، عراق اور شام میں بھی آپ کے خلفا نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی تبلیغ کی اور لاکھوں انسانوں کے اخلاق و احوال کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ ہندوستان میں مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشرف علی تھانوی کی خانقاہ ایسی تھی کہ اس کی نظیر نہ قدیم زمانے میں ملتی ہے اور نہ آیندہ امید ہے کہ ایسا جامع حیثیات کوئی بزرگ اتنے بڑے پیمانہ پر رشد وہدایت کی ذمہ داریاں سنبھال سکے گا۔

حضرت حاجی صاحب نے ۸۴ سال ۲ ماہ اور بیس یوم کی عمر پائی اور ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو بدھ کے دن صبح کے وقت محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے۔

حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات جمع کرنے کا زیادہ اہتمام نہیں ہوا ورنہ ہمارے ذخیرۂ ملفوظات میں ایسا اضافہ ہوتا جو رہتی دنیا تک اہلِ ذوق اور صاحبِ دل حضرات کے لئے آبِ حیات کا کام کرتا۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات فراہم کرکے "کمالاتِ امدادیہ" کے نام سے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں مطبع انتظامی کان پور سے چھپوا دیئے تھے یہ ساٹھ صفحوں کا رسالہ تھا جس میں تقریباً سوا سو ملفوظ ہیں۔ مولانا تھانوی ہی نے دوسرا رسالہ "کراماتِ امدادیہ" اس سے پہلے ترتیب دیا تھا اور یہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں حضرت حاجی صاحب کی وفات کے معاً بعد چھپوایا تھا اس میں اکیاون صفحات ہیں اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایسے واقعات اور رموز و نکات کا بیان ہے جنھیں حضرت حاجی صاحب کی بزرگی اور کرامت کہا جا سکتا ہے۔ مولانا تھانوی سے جو لوگ واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے قلم سے کوئی بات مبالغہ آمیز یا خلافِ واقعہ نہیں نکل سکتی۔ ان دو مختصر رسالوں میں بھی جتنا مواد ہے وہ ہر طرح مستند اور لائقِ مطالعہ ہے۔ یہ دونوں رسالے بار بار چھپے ہیں اور آج بھی بازار میں تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں۔

تیسرا مجموعہ "شمائم امدادیہ" ہے یہ فارسی میں "نفحاتِ مکیہ من مآثر امدادیہ" کے نام سے فراہم ہوا تھا۔ اس کے اردو ترجمے پر مولانا تھانوی نے نظرِ ثانی بھی فرمائی تھی۔ یہ مجموعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاجی صاحبؒ کی زندگی ہی میں جمع ہو چکا تھا۔ مولانا تھانوی نے ایک کتاب "امداد المشتاق" بھی لکھی تھی جس میں حاجی صاحب کے ملفوظات اور مکتوبات و ارشادات ہیں۔ "مکتوبات امدادیہ" میں انھوں نے حضرت حاجی صاحب کے خطوط بھی جمع کر دیے تھے۔ ایک مجموعہ "امداد الصادقین" کے نام سے حاجی صاحب کے مرید با اخلاص مولوی صادق الیقین نے فارسی میں مرتب کیا تھا اور دوسرا مختصر رسالہ مولانا احمد حسن کانپوری کا جمع کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کے مطالب بھی شمائم امدادیہ حصہ دوم میں آگئے ہیں۔

اب کچھ گفتگو حضرت حاجی صاحب کی زبان فیض ترجمان سے سنیے، جس سے نشاطِ قلب اور انبساطِ روح کا سامان مہیا ہو۔

ایک بار ارشاد فرمایا: جس درویش کی طرف بہ نسبت طالبان دین کے طالبانِ دنیا کا ہجوم زیادہ ہو، معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس میں ابھی شعبہ دنیا کا موجود ہے اس لئے ایسے لوگوں کا اس کی طرف زیادہ میلان ہے ..... پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہمارے یہاں تو زیادہ تعداد غربا، اور مساکین اور صلحا، اور طالب علموں کی ہے، دنیا کے بڑے آدمی ہمارے یہاں کم ہیں۔

فرماتے تھے کہ مجھ سے جناب مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) نے پوچھا کہ حضرت میرا ایک جگہ نوکری کا تعلق ہے اگر ارشاد ہو تو چھوڑ دوں؟ میں نے جواب دیا کہ مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ ابھی طبیعت میں تردّد ہے اور یہ دلیل ہے خامی کی اور ایسی حالت میں تعلق کا ترک کرنا موجب تشویشِ قلب ہوتا ہے جس وقت پورا توکّل ہو جاوے گا خود بخود طبیعت تعلقات سے ایسی نفور ہوگی کہ کسی کے منع کئے بھی آپ نہ مانیں گے۔" کوئی مرید حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کرتا کہ دنیا چھوڑ دوں؟ تو فرماتے کہ اگر دنیا سے حلال ہے تو خود مت چھوڑو، اللہ کا نام لئے جاؤ جب اس کا غلبہ ہوگا خود ہی چھڑا دیگا۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ کے مزار کے متعلق کچھ اوقاف ہیں جن کی آمدنی کثیر ہے۔ اس کے متولّی ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا انتقال ہو گیا تھا اور بعض مشائخ نے اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کے لئے اس لئے تجویز کیا کہ خود متولی بھی اپنے مصارف اس سے بطریق مباح لے سکتا ہے اور حضرت حاجی صاحب کے پاس کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے تو اس سے اطمینان کی صورت پیدا ہو جاوے گی اور حضرت صاحب میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کی اولاد میں سے تھے۔ اور انھیں وہاں رہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کوئی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے بھیجتے رہتے۔ غرض یہ تجویز کر کے حضرت صاحبؒ سے عرض کیا گیا آپ نے فرمایا: "اولاد میں ہونے کی خصوصیت سے جو میرے لئے تولیت تجویز کی گئی ہے تو حضرت سلطانؒ نے تو سلطنت بلخ پر لات ماردی تھی، اگر میں اس دنیا کو اختیار کروں تو ان کی اولاد خلف کب رہا؟ اور اس خدمت کے لئے خلف ہونا ضروری ہے اور اگر خلف بننا چاہوں تو ان کا اقتدا کرنا ضروری ہے۔"

مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کو حضرت سلطان المعظم عبدالحمید خان والی ترکی نے بلایا تو اس درجہ اکرام کیا کہ کسی بادشاہ کا بھی اتنا اعزاز نہ ہوتا تھا۔ جب مولوی صاحب سلطان کے یہاں سے لوٹ کر مکہ معظمہ تشریف لائے تو ملاقات کے وقت حضرت حاجی صاحب سے سلطان کے مناقب بیان کر کے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان کے حضور میں آپ کا ذکر بھی کروں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا نتیجہ ہوگا۔ بہت ہوگا تو وہ معتقد ہو جاویں گے پھر آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کے جو معتقد ہوئے تو کیا نتیجہ ملا؟ وہی مجھ کو ملیگا یعنی بعد السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بُعد۔ البتہ آپ اُن کی تعریف کرتے ہیں کہ بڑے عادل ہیں وارد ہوا ہے کہ سلطانِ عادل کی دعا قبول ہوتی ہے سو اگر آپ سے ہو سکے آپ ان سے میرے لئے دعا کرا دیجئے۔ مگر ایک بادشاہ سے یہ کہنا کہ ایک درویش کے لئے دعا کرو۔ یہ آداب سلطنت کے خلاف ہے اس لئے میں آپ کو اس کا ایک طریقہ بتلاؤں وہ یہ کہ آپ میرا اُن سے سلام کہہ دیں وہ جواب میں وعلیکم السلام ضرور کہیں گے بس میرے لئے اسی طرح دعا ہو جاویگی۔"

ایک مرتبہ حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص آیا اور آکر رونے لگا کہ حضرت میری بیوی مرتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ "اچھا ہے جیل خانے سے چھوٹتی ہے اب تم بھی چھوٹے

© rasailojaraid.com